اسلام اور مسلمانوں کو درپیش موجودہ چیلنجز؟

جناب احمد جاوید کی گفتگو

مناسب ہے کہ میرے ذہن میں دو دن کی گفتگو کا جو خاکہ ہے وہ آپ کے سامنے رکھ دوں تاکہ مخاطب بننے کے لیے جو ایک ذہنی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اور ذہن کو کسی خاص جہت اور کسی خاص مطالبہ پر استوار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے' وہ بھی اس طرح پوری ہو جائے اور ہماری گفتگو کے حدود اور مقاصد بھی واضح ہو جائیں۔ مجھے محترم حافظ عاطف وحید صاحب نے جو موضوع تفویض فرمایا ہے وہ ہے ''اسلام اور مسلمانوں کو درپیش موجودہ چیلنجز؟''

میں ان شاء اللہ اِن چیلنجز کی تفصیل بیان کروں گا' اور ان کی نوعیت اور کیٹگری کو معین کرنے کی کوشش بھی کروں گا۔ اس سارے بیان کا دوسرا اور اہم تر حصہ یہ ہے کہ سلامتی کے ساتھ اور حق پر کھڑے ہو کر ہم ان چیلنجز سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ ان دونوں جہتوں سے ہمارے ذہن کو ایک مقصدی جذبہ کے ساتھ پہلے سے تیار ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ موضوع اپنے اندر ایک ایسی چیز ضرور رکھتا ہے کہ جسے نظر انداز کر کے ہم اپنے دین اور اپنے بنیادی عقائد کے ساتھ' نیز ذہن کے اطمینان' قلب کی تسکین' اور ارادے کی یکسوئی کے ساتھ..... کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس اعتبار سے میری نظر میں تو یہ ہماری موت وحیات کا مسئلہ ہے۔

اجمالی خاکہ یوں ہے کہ ہمیں دو طرح کے چیلنجز درپیش ہیں۔ دو طرح کے ایسے خطرات درپیش ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کریں تو ہم اپنے دین کے ناکام اور بے اثر ترجمان بن کر رہ جائیں گے۔ ان چیلنجز کی دو انواع یعنی دو قسمیں ہیں..... یعنی ایک باہر سے درپیش چیلنج اور بہت سادہ لفظوں میں' مغرب سے..... جو دنیا کی عملی' مادّی' انتظامی اور علمی تشکیل کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔ آج دنیا اپنی تعریف کے لیے جن بنیادی اجزاء کی خواست گار ہے' (یعنی جن بنیادی اجزاء کے ساتھ دنیا کو مؤثر (effective) طریقہ سے define کیا جا سکتا ہے)' اُن تمام عناصر اور اجزائے تعریف پر کُل کا کُل تصرف مغرب نے حاصل کر لیا ہے۔ اس بات کو مانے بغیر اور اس بات کو ایک تلخ حقیقت کے طور تسلیم کیے بغیر' ہم اپنے موقف کی ایسی تشکیل نہیں کر سکتے جو موجودہ زمانے پر اثر انداز ہو سکے' اور اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے دین سے تعلق اور اس کی ترجمانی کی بُہتیری یا اکثر ضرورتیں پوری نہیں کر سکتے ہیں۔

جو چیلنجز ہمیں درپیش ہیں اُن کی فہرست یوں ہے:

۱۔ مغرب سے درپیش وہ چیلنجز جنہوں نے ہماری بقا کے ساتھ ساتھ ہمارے تصورِ دین تک کو متاثر کیا ہے۔

ب۔ وہ داخلی چیلنجز جو ہمارے ہی اندر سے اُٹھ رہے ہیں اور دینی فکر اور دین کے پورے discourse پر اور دین کی تمام اقلیموں پر غالب آجانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ داخلی چیلنجز خطرے کے اعتبار سے زیادہ شدید ہیں' اور یہ داخلی چیلنجز اُن چیلنجز کا انعکاس ہیں جو مغرب نے ہم پر مسلط (impose) کیے ہیں..... یا..... مغرب سے پیدا ہوئے ہیں۔

آج کی گفتگو بیرونی چیلنجز کے بارے میں ہے اور اگلی گفتگو میں' ان شاءاللہ' ہم اپنے ذہن کو داخلی مسائل پر مرتکز رکھیں گے..... اس نیت کے ساتھ کہ ہم ان دونوں طرح کے چیلنجز کا کامیابی کے ساتھ سامنا کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کر سکتے ہیں؟ یعنی اپنی دینداری کے موجودہ احوال میں کس طرح کی اصلاحات لا کر ایسے مہلک چیلنجز اپنے اوپر اوّلاً بے اثر بنا سکیں اور ثانیاً اُن پر غالب آسکیں؟ یہ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ میں عالم نہیں ہوں۔ میں علماء کے درمیان بیٹھ کر یہ تو محسوس کرتا ہوں کہ جیسے ریت پر پڑی ہوئی مچھلی کو گویا دوبارہ پانی مل گیا' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ممکن ہے کہ مجھے ایک عامی کی حیثیت سے' جو اپنے دین کے ساتھ وابستگی میں حتی المقدور مخلص ہے' اور اپنے دین کے ساتھ وابستہ رہنے کے لیے ایک سازگار ماحول کا طلب گار ہے' وہ سازگار ماحول میسر آجائے جو آپ لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوگا..... ان شاءاللہ!

تمہیداً عرض کر دوں کہ ابھی جن چیلنجز کی بات کی ہے اگر اُن کی فہرست بنائی جائے' اور اُس فہرست کو ابواب میں تقسیم کیا جائے تو وہ تین یا چار قسم کے چیلنجز ہیں... چاہے وہ خارج سے وارد ہوئے ہوں یا وہ خارج سے نکلے ہوں۔ ان میں کچھ چیلنجز علمی ہیں۔ علمی سے مراد یہ کہ مغرب نے ایک نظام العلم تشکیل دیا ہے... ایک knowledge order بنایا ہے۔ اور اُس نے نظام العلم کو ذہن اور دنیا کے درمیان تعلق پیدا کرنے کی ایک واحد مؤثر اساس بنانے میں کامیابی حاصل کر دکھائی ہے۔ اس طرح کے جو علمی چیلنجز ہمیں درپیش ہیں اگر اُنہیں address نہ کیا گیا... معرفتِ حق اور شعورِ ایمانی کی بہترین قوتوں کے ساتھ اُن کا مقابلہ نہ کیا گیا... تو پھر ہمارا دین ہمارے حافظے تک محدود ہو کر رہ جائے گا اور ہمارا ایمان ہمارے شعور میں بہترین احوال سے غیر متعلق رہ جائے گا۔ ان چیلنجز کو خواہ کسی بھی وجہ سے نظر انداز کیا گیا... خود پسندی یا جذباتیت کی نذر کیا گیا... تو نتیجتاً ہمارا ذہن اپنی بہترین سطحوں پر دین کے چشمہ سے سیراب ہونا بھول جائے گا۔ ہمارا شعور اس بات سے قاصر رہ جائے گا کہ وہ دین یا ایمانیات کو اپنا ایسا بنیادی تناظر اور perspective بنا سکے جس اساسی تناظر اور perspective principle سے دنیا اور آدمی کو سمجھنے والے علوم پیدا ہوتے ہیں۔ تو یہ ہے اس موضوع کی اہمیت! آج اسی موضوع پر تفصیل سے بات کرنی ہے۔

۱) علمی چیلنجز

ہمیں درپیش علمی چیلنجز سے آغاز کرتے ہوئے میں ایک بات عرض کروں گا کہ ایک اصطلاح ہے ''Episteme''... جس کا ترجمہ تو شاید نہ ہو سکے' اس کو کھول کر بیان کرنے سے شاید وہ واضح ہو جائے' ان شاءاللہ! Episteme کا لفظی مطلب علم ہے' لیکن اس کا اصطلاحی مطلب زیادہ وسیع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مزاجِ

علم‘ حدِ علم‘ صورتِ علم اور ضرورتِ علم۔ جب یہ سب اصطلاحیں ایک تہذیب میں یک جا ہو جائیں تو اُنہیں اُس تہذیب کا episteme کہا جائے گا۔ یہ اس تہذیب کا وہ علمی جوہر ہے جس سے اس کی تمام معلومات جنم لیتی ہیں... جس کی روشنی میں اس تہذیب کا مجموعی ذہن مختلف خیالات اور نظریات کی تشکیلِ نو یا تجدید کرتا رہتا ہے۔

تو اس پہلو سے ہمیں جس بہت بڑی مصیبت‘ بہت ہی بڑی رکاوٹ کا سامنا ہے وہ یہ ہے کہ مغرب نے (یعنی مغربی علم‘ مغربی Episteme نے) ’’علم‘‘ اور ’’معلوم‘‘ کے درمیان ربط کو (یعنی علم اور object کے درمیان نسبت کو) اتنا متعین‘ اتنا متجر اور اتنا فکسڈ کر دیا ہے کہ آج دنیا اپنی علمی form میں‘ اپنی واقعی حیثیت اور اپنی ذہنی صورت میں‘ اپنے وجود میں‘ اور دنیا اپنے شعور میں بھی ایسی بن کر رہ گئی ہے کہ جس میں کسی بھی طرح کی مابعد الطبیعیات کی گنجائش اور ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔ آج مغرب نے انسانی ذہن کو اس طرح craft کر دیا ہے اور دنیا کو اس طرح اپنے ذہن میں تعمیر کر لیا ہے اور دنیا کو ایسی تعریفات اور definitions دے دی ہیں کہ جس کے نتیجہ میں خدا کو ماننے اور دین پر چلنے کی روایت تیزی سے اجنبی‘ غیر مطلوب‘ اور غیر مؤثر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ سب سے بڑا خَلا جو مغرب کامیابی کے ساتھ ایکسپورٹ کر رہا ہے وہ خَلا یہی ہے کہ اُس نے انسانی شعور اور انسانی دنیا کو ایک ایسا روپ دے دیا ہے اور اُسے ایسے ماحول میں بدل دیا ہے‘ جہاں خدا کی جگہ بنانے کے لیے تکلف کرنا پڑتا ہے‘ جہاں دین کو ماننے کے لیے ایک اجنبی پن کے احساس سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ ہم مسلم سوسائٹیز کی روایتِ علم میں دیکھ رہے ہیں —— یہ صرف ایک مفروضہ نہیں ہے۔ اس کا اثر خود مسلم ذہن اور مذہبی ذہن پر پڑا ہے —— اس کی تفصیلات اس طرح ہیں:

آج مغرب نے دنیا کو اس کے واقعی structure میں اور دنیا کو اس کی conscious form میں انسان کے اپنے بارے میں تصور کو اتنا زیادہ بدل دیا ہے کہ انسانی ذہن کے لیے ایمان نامانوس ہو کر رہ گیا ہے۔ عملِ صالح کے لیے دنیا ایک اجنبی جگہ بن کر رہ گئی ہے۔ یعنی ہم دنیا میں وہ جگہ ڈھونڈ نکالنے میں مشکل محسوس کرنے لگے ہیں جہاں ہم خدا کو مرکز بنا کر‘ حاکم بنا کر‘ معبود بنا کر اور خالق بنا کر رکھ سکیں‘ مان سکیں اور منوا سکیں‘ اور جہاں دین کے دیے ہوئے بنیادی تناظرات چیزوں کو دیکھنے کا واحد ذریعہ ہوں۔

آج کی صورت حال یہ ہے کہ انسان کا تجزیہ کرنے والے اور دنیا کے mechanics تک رسائی کی کوشش کرنے والے تمام جدید علوم ‘بن کہے اس بات پر متفق ہیں کہ اُنہوں نے شے کی ساخت‘ شعور کی بناوٹ اور مزاج کو ایسا بنا دیا ہے کہ خدا ایک آئیڈیا اور ایک تصور کے طور بھی غیر مؤثر اور irrelevant ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ ایسا خطرہ نہیں کہ اس میں صرف اہلِ مغرب مبتلا ہیں... اُن کے لیے تو یہ کامیابی ہے۔ اس خطرہ میں جدید تعلیم یافتہ مسلم ذہن بھی گرفتار ہو چکا ہے اور اس خطرے کے پھیلاؤ اور تاثیر کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اب یہ خطرہ مذہبی ذہن کے دروازہ پر بھی دستک دے رہا ہے۔ یہ کون سا خطرہ ہے؟ یہ کہ خدا کو ماننا فطری نہ لگے‘ خدا کی اطاعت جبر بن کر رہ جائے‘ اور خدا کے ساتھ تعلق کے تمام مظاہر کسی بھی worldview کی تشکیل میں درکار ہی نہ رہیں۔ تو یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے! اس علمی خطرے کے مائی باپ علم کے ہر شعبے اور ہر discipline میں پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theory) —— جو کسی بھی طرح سے سائنسی تیقن حاصل کرنے میں تا حال

ناکام ہے‘ اور آپ اس کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں —— اس تھیوری کا اصل مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ کائنات تخلیق نہیں کی گئی‘ کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے‘ یہ ایک سپر نقطہ (super dot) یا ذرہ تھی‘ ایک ناقابل پیمائش نقطہ‘ جس میں ٹائم اور space وغیرہ مجتمع تھے‘ سب منجمد تھے‘ سموئے ہوئے تھے۔ کسی وجہ سے وہ نقطہ پھٹ کر غبارے کی شکل اختیار کر گیا۔ اس نقطے کے بلاسٹ کر جانے اور داخلی انفجار سے زمان و مکان اور یہ ساری کائنات وجود میں آئی ہے۔ اس نظریہ کی سائنسی تفہیم اس وقت ضروری نہیں ہے۔ میں صرف اس کا نتیجہ عرض کرتا ہوں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بگ بینگ کے محض امکان کو بھی مان لینے کے نتیجہ میں کائنات کو مخلوق جاننا اور ماننا ناممکن ہو جائے گا۔ یہ پہلا حملہ ہے۔ دوسرا حملہ ہے نظریہ ارتقاء‘ یعنی ڈارون کی تھیوری آف بائیولوجیکل ایوولیوشن (evolution)۔ مغرب میں جو چیزیں عقیدے کے سے تحکم اور استقلال کے ساتھ مانی جاتی ہیں ان میں ایک نظریہ ارتقاء بھی ہے جو ڈارون کا ہے۔ نظریاتِ ارتقاء اور بھی ہیں... سپنسر وغیرہ کے‘ لیکن ڈارون کا نظریہ ارتقاء یہ ہے کہ انسان ایک Natrual Selection‘ ایک فطری اتفاق سے بنا ہے‘ یہ مخلوق نہیں ہے! جس طرح بگ بینگ تھیوری کائنات کے مخلوق ہونے کی نفی میں سب سے بڑی دلیل بن رہی ہے‘ اسی طرح ڈارون کا نظریہ ارتقاء انسان کے مخلوق ہونے پر بہت بڑا سوالیہ نشان لگا چکا ہے۔ اور مغربی ذہن کی اکثریت نے یا اس مغربی ذہن نے جو دنیا پر اس وقت علمی اور عملی طور پر قدرت رکھتا ہے‘ اُس عملی اور مجموعی ذہن نے ان دو نظریات کو قبول کر رکھا ہے —— اور مغرب کے انسان اور دنیا کے بارے میں پیدا ہونے والے تمام علوم ان دو بنیادوں سے پھوٹتے ہیں۔ یعنی انسان کا تجزیہ کرنے والا علم چاہے وہ Anthropolgy کا کوئی علم ہو یا نفسیات کا کوئی علم ہو‘ ان سب میں اس چیز کو ایک بنیادی مسلّمہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے کہ آدمی ایک نوع سے دوسری نوع میں شفٹ ہونے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے‘ کسی ''امرکُن'' کے نتیجے میں بنی بنائی حالت میں یہاں نہیں اتارا گیا۔ تو انسانوں کا مطالعہ کرنے والے گویا تمام علوم اس کی نفسیاتی ساخت میں سے مخلوقیت کے جوہر کو منہا کر دینے پر متفق ہیں۔ کیا یہ کم خطرہ ہے؟ یہ وہی نفسیات ہے جس کو پڑھ کر ہمارے یہاں لوگ سائیکیٹریسٹ اور سائیکولوجسٹ بنتے ہیں۔ یہ وہی بگ بین نظریہ ہے جس کو مانے بغیر آپ کو فزکس کی کسی کلاس میں داخلہ نہیں ملے گا۔ مطلب یہ کہ اُن کا زور‘ دباؤ‘ پھیلاؤ اور اُن کی تسلیم اب بہت زیادہ مضبوط اور تقریباً غیر مشروط ہے۔

تیسرا خطرہ یہ ہے کہ مغرب نے اپنی بہترین فلسفیانہ قوتوں کے ساتھ جو سماجی اور سیاسی علوم کی روایت شروع کی... یعنی فلسفہ اور سوشیالوجی وغیرہ... تو اس کا ایک نتیجہ جو ہمارے ذہن پر مرتب ہوا‘ جس نے ہمارے شعور کو اس کی اصلی بنیاد اور ساخت سے اکھاڑ دیا... اور یہ ممکن ہی نہیں کہ جسے ہر انسانی دماغ محسوس نہ کر سکے‘ اس کا ادراک نہ کر سکے‘ اُسے realise نہ کر سکے‘ اور اگر مزاج دینی ہے تو اس پر پریشان نہ ہو... وہ یہ ہے کہ ہمارے شعور میں عقیدہ اور علم کو جوڑنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ ہمارا ایمانی شعور خود ہمارے لیے مؤثر طور پر (convincingly) مدلّل نہیں رہ گیا ہے۔ اللہ کو ماننا... اُس کی تمام شانوں کے ساتھ... ہمارے اندر شعور کی بہترین activities کو جنم نہیں دے رہا۔ ہمارا ایمان دنیا اور انسان کے بارے میں علوم کی بنیاد نہیں بن رہا۔ ہمارا ایمان ایک ایسی منطق کو ہمارے ذہن میں جنم نہیں دے رہا جو ایمانیات کا علمی دفاع کرنے کے قابل ہو‘ یا جو خود

ایمانیات کو ہمارے ذہن کی بہترین طاقتوں کے لیے fulfilling اور قابل تسلیم اور محبوب بنا سکے۔ یعنی ایمان ذہن کی ایک ضد سے زیادہ اپنے وجود کے شواہد نہیں رکھتا۔ یہ میں علمی پہلو سے کہہ رہا ہوں۔ گویا اگر علم کی جہت سے دیکھا جائے تو آج ہمارے علماء کا ایمان بھی' اِلا ماشاء اللہ' ذہن کی بہترین حالتوں کو capture کرنے کے قابل نہیں ہے اور ایسا فطری استدلال' ایسی natural fineness اور ایسا جمالیاتی تموج نہیں رکھتا جو میرے شعور کے تمام گوشوں کو ایک حالتِ سیرابی میں رکھے' اور میرے ایمان پر اُٹھنے والے ہر سوال کو اُس سوال سے اشتراک رکھنے والی منطق کے وسیلے سے حل کر سکے۔ پورے عالمِ اسلام کی سطح پر یہ ایک اتنا بڑا بحران ہے کہ اس کو نظر انداز کرنا نہ صرف یہ کہ بے وفائی ہے بلکہ اقدامِ خودکشی ہے۔ قومیں قتل سے نہیں خودکشی سے مرتی ہیں۔ تو ویسٹ کا غلبہ ہمیں آمادۂ خودکشی کر چکا ہے' کیوں کہ یہ ایمان کے فطری تقاضوں اور ایمان کے اندر علوم سازی کی جو رَو چل رہی ہے' مغرب کے اس غلبے نے ہمیں اس سے غافل بلکہ محروم کر رکھا ہے۔ یہاں آپ کے سامنے بھرپور اور زوردار انداز میں یہ شکایت رکھی جا رہی ہے تا کہ شکایتوں کو حل کرنے والا ذہن اس کی طرف جلدی سے اور رغبت کے ساتھ متوجہ ہو سکے۔ ایمان کیا ہے؟ ایمان کہتے ہیں شعور کو ایک ایسا حتمی تخیل (binding idea) فراہم کر دینا... شعور کو ایک ایسا ہمہ گیر عقیدہ فراہم کر دینا... کہ شعور اس عقیدہ کو اپنی رگ رگ میں رچا بسا کر علوم سازی کا کام کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ یعنی ایمان ایک اعلیٰ ترین سطح پر متاعِ شعور بنے اور اپنی فعال حالت میں دنیا اور آدمی یا انسانوں کے لیے درکار تمام علوم کی تشکیل کا واحد سبب اور اکیلی سند بن کر دکھائے۔ یہ کام وہ تھا جو ہمارے اَسلاف نے بہت کامیابی سے صدیوں تک کر کے دکھایا ہے۔ لیکن آج ہم اس خلا میں رہتے ہوئے بھی اس خلا میں رہنے کے احساس سے محروم ہیں۔

چوتھے یا تیسرے سبب کا ایک ضمنی مظہر یہ ہے کہ آج مغرب (یعنی دنیا) کو علمی اور عملی طور پر چلانے والی قوت کو' نیز مغرب میں تمام علوم وفنون' تمام تہذیبی اَقدار' تمام اخلاقی آئیڈیاز کو بہت مہارت سے اس طرح کرافٹ کیا جا رہا ہے اور اس طرح ڈیزائن کیا جا رہا ہے کہ ان کو قبول کرنے کے نتیجے میں خدا کا انکار واجب ہو جائے۔ آج مغرب میں علم کا جو بنیادی دھارا (main stream) ہے' اُس بنیادی دھارے کی تشکیل کرنے والے تمام علوم میں دو رویے گویا پکارتے اور چیختے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ دو رویے ہیں: یا تو خدا کا انکار کرنا یا خدا سے لاتعلق رہنا! چنانچہ خدا کا انکار اور خدا سے لاتعلقی کا یہ رویہ گویا ایک عالم گیر نظامِ تعلیم (Global knowledge order) کی بنیاد اور مقصود کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ یہ وہی تعلیم ہے جو ہم حاصل کر رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارا ذہن جدید تعلیم کے جتنے زیادہ مدارج طے کرتا جاتا ہے اُتنا ہی وہ خدا سے نامانوس یا بیزار ہوتا چلا جاتا ہے۔ کوئی تو وجہ ہے نا؟ کیا وجہ ہے کہ ہمارا جدید تعلیم یافتہ ذہن اپنے دین کو بہترین علم کی حیثیت دینے میں ناکام ہے۔ اپنے دین کو اپنے مجموعی شعور کے مرکز میں پوری فعالیت (activity) اور نتیجہ خیزیت (productivity) کے ساتھ وابستہ رکھنے میں ناکام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم خدا کو طالب علم کا کوئی مسئلہ نہیں رہنے دیتی۔ جدید تعلیم اپنے اصلی مزاج میں (وہی جو سرسید سے شروع ہوئی) دین سے لاتعلقی کی تعلیم ہے۔ جدید تعلیم' چاہے وہ سائنس کی ہو یا سوشل سائنس کی' اُن کا مشترک وصف یہ ہے کہ یہ شعور کے مزاج میں

سے ایمان کی ضرورت کو خارج کر دیتی ہے۔ آج ہم نے ان رجحانات سے نمٹنے' ان پر غالب آنے اور اُنہیں روکنے کی کوشش نہ کی تو پھر اس دین کے ساتھ تعلق کی تمام ہیئتیں یا تو عادات کے درجے پر رہ جائیں گی یا پھر مشینی (mechanical) اور جبری ہو کر رہ جائیں گی۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ایسے لوگ جو دین کے دائرے میں تعلیم و تعلّم کا کام (ان شاء اللہ) اخلاص کی بلند سطح پر ہو کر کر رہے ہیں' اُن حضرات سے یہ توقع کی جانی غلط نہیں ہے اور اُن کی جناب میں یہ درخواست گزارنی غلط نہیں ہے کہ خدا کے لیے تعلیم کے اس مزاج کے پھیلاؤ کو روکیں... ورنہ یہ مزاج پھیلتے پھیلتے دینی اداروں میں بھی داخل ہو جائے گا' اور کہیں کہیں یہ داخل ہو چکا ہے..... خدا سے بے نیازی کا' خدا سے بے رغبتی کا' خدا سے بیزاری کا' خدا سے لاتعلقی کا' اور کہیں خدا کے ڈائریکٹ انکار کا!

ہماری سب سے بڑی ناکامی یہ ہے کہ ہم نے اپنے دین کو شعور کی ہر نوع پر غالب رکھنے کی جدوجہد سے دستبرداری حاصل کر لی ہے۔ یعنی یہ ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے دین کو ذہن کی تشکیل کا سبب اور اخلاق کی تعمیر کا وسیلہ اور منزل بناتے۔ لیکن اس کی طرف سے غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ذہن کو تعمیر اور اخلاق پیدا کرنے والے تمام ذرائع دینی ہاتھوں کی گرفت سے نکلتے چلے جا رہے ہیں... اور... بخدا نکلتے چلے جا رہے ہیں! مطلب یہ ہے کہ جو بھی اس کے خلاف بولے گا وہ یا تو ضد کرے گا یا جھوٹ بولے گا۔ آج ہماری دین داری کے تمام ادارے اور تمام روایتیں ایمان کو اُمّ العلوم اور اُمّ الاخلاق بنانے میں ناکام ہیں۔ آج ہمیں اگر علم کا (یعنی شعور کی بلندی کا) کوئی نمونہ ڈھونڈنا ہوگا تو وہ دینی حلقوں میں نظر نہیں آتا۔ چنانچہ آج اگر اخلاقی برتری کا کوئی نمونہ ڈھونڈنا ہوگا تو وہ دین دار لوگوں کے حلقے کی نسبت دین داری کی روایت سے باہر والے لوگوں میں زیادہ شدت اور تاثیر کے ساتھ نظر آتا ہے۔ جن اصولوں کی بنیاد پر ہمارا دین اخلاقی وجود کی سیرابی کرتا ہے' ان اصولوں سے سب سے زیادہ انحراف اس دین کے خود ساختہ ترجمانوں نے کیا ہے۔ ہمارے اس دعویٰ' کہ ہمارا دین ہمارے شعور کی تعمیر و تکمیل کا واحد ضامن ہے' کی تکذیب کا عملی مظاہرہ جس حلقے میں سب سے زیادہ ہو رہا ہے وہ وہی ہے جو دینی ذہن رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ذہانت اور اَخلاق میں برتری حاصل کیے بغیر ہم معاصر دنیا میں مخالف و متصادم رجحانات' اقدار اور مزاج کا سامنا نہیں کر سکتے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ یا تو اس لہر میں بہہ جائیں یا اس لہر کے سامنے بند باندھیں... تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یا تو مغرب کی اُٹھائی ہوئی اس طغیانی کے آگے مٹی کے گھروندے کی طرح ڈھے جائیں' یا پھر اس طغیانی کے مقابلے کے لیے ڈٹ جائیں' تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ غیر جانب دار رہنے کے لیے جو neutral zones ہوا کرتے تھے' اب دنیا میں ایسا کوئی zone نہیں رہا جس میں ہم پناہ لے کر اس یلغار سے بچ سکیں۔ چنانچہ اس میں بہت جلدی اور بہت اخلاص کی ضرورت ہے۔ اس میں ایمان اور علم کے درمیان تعلق کی اور اس روایت کی تجدید اور احیاء کی ضرورت ہے جو ہمارے اسلاف کے ہاں نظر آتی ہے۔ اور ہمیں اس بات کی بہت ہی زیادہ حاجت ہے کہ ہم اپنی ذات سے ثابت کریں کہ یہ دین انسان کو ''اخلاقی وجود'' کس طرح بناتا ہے؟ یہ دین تہذیب کو اس کی اَقدار کیسے فراہم کرتا ہے؟ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان اقدار کو عمل میں آتے ہوئے دکھائیں۔ غرض یہ حقیقت کہ یہ دین انسانی دنیا میں اخلاق کا مقوم اور اقدار کا بانی کس طرح

ہے' یہ ہمیں صرف نظریاتی طور پر ماضی کی ایک یاد کے nostalgic پیرائے میں اور مفلسانہ تکبر' خود پسندی' اور جاہلانہ گھمنڈ اور ضد کے ساتھ ثابت نہیں کرنا ہے... ہمیں اپنے دین کی اخلاقی اور ذہنی نتیجہ خیزی کو اپنی ذات سے' اپنے اداروں سے' اپنی معاشرت سے' ہر صورت میں ثابت کرنا ہے! اور اگر اس میں ہم نے ذرا بھی دیر کر دی تو اگلی نسلوں کے لیے دین کو ماننا بوسنیائی مسلمانوں کی طرح ایک کلچرل ایکٹیویٹی تو رہ جائے گا' اس سے آگے اُس کی کوئی معنویت اور تاثیر نہیں رہے گی۔ تو خدا کے لیے اپنی تمام ترضمنی اور فروعی مصروفیات کو چھوڑ کر اس طرف پلٹیں۔ اس کام کو کرنے کے لوازم حاصل کریں' وسائل حاصل کریں' اور اس کام کو عمدگی سے' کامیابی سے' انجام دینے والی قابلیت اور مہارت (skill) پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ایک مفکر' ایک ملحد مفکر کا سوال آپ کے سامنے رکھا جا رہا ہے۔ ایک سوال جو بہت مؤثر تھا! برٹنڈ رسل' جو حسنِ اظہار میں بڑے سے بڑے ادیب سے زیادہ تھا' حسنِ تخیل میں بڑے سے بڑے شاعر کے برابر تھا اور اظہار میں واضح ہونے (clarity of thought) میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا اور صاف انداز میں سوچنے میں معاصر دنیا میں ایک بڑا نام تھا اور صرف فلسفیانہ حلقوں ہی میں نہیں بلکہ اور دائروں میں بھی بہت مؤثر تھا' اس نے ایک کتاب لکھی "Why I Am Not A Christian?" (''میں ایک عیسائی کیوں نہیں ہوں؟'') یہ ایک زمانے میں دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں سے ایک رہی ہے اور آج بھی اس کے پڑھنے والوں کا flow اور رواج کم نہیں ہوا ہے۔ اس کتاب میں اُس نے ایک سوال اسلام پر بھی اٹھایا ہے کہ ''اسلام نے کون سی ذہنی اور تہذیبی ضرورت پوری کی ہے؟'' مطلب یہ کہ اسلام آج کی دنیا میں کون سی علمی اور تہذیبی ضرورت پوری کر رہا ہے؟ تو اُس کے اس سوال کو دن میں دو چار مرتبہ اپنے اندر گونجنے دیجیے۔ اس معاندانہ سوال کو! اور پھر سوچیے کہ آپ اس دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لیے کیا کر رہے ہیں یا کیا کر سکتے ہیں؟ کیا یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ رسل کو ٹھوس بنیادوں پر غلط ثابت کریں؟

اس سوال کی وضاحت کچھ اس طرح ہے:

☆ اسلام کی انسانی علم اور تہذیب کے لیے کیا contribution ہے؟

☆ اسلام نے شعور کے علمی افق کو کتنا وسیع کیا ہے اور وجود کے اخلاقی substance کو کتنا creative اور productive بنایا ہے؟

☆ انسانی تہذیب کی وہ کون سی اقدار ہیں جن کو اسلام عملی طور پر چلا رہا ہے؟

رسل یہ نہیں کہہ رہا کہ ایک ہزار سال پرانی مثالیں لا کر دیں۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ تمہاری اور تمہارے دین کی کامیابی کی تمام مثالیں ماضی بعید ہی میں کیوں ہیں؟ اب ظاہر ہے کہ یہ سوال شیطنت ہے' لیکن جیسے ہی ہم وہاں کھڑے ہو کر کہیں گے کہ یہ سوال شیطنت ہے' ویسے ہی اپنے محضرِ شکست پر دستخط کر دیں گے۔ ہم کہہ کر فارغ ہو جاتے ہیں کہ یہ شیطانی سوال ہے' یہ کافرانہ سوال ہے' یہ جاہلانہ استفسار ہے۔ لیکن اس سوال کے جو اثرات پیدا ہو رہے ہیں ان اثرات کی روک تھام کا کوئی مؤثر انتظام نہیں کرتے۔ یہ سوال حامد میر جیسے میڈیا کے لوگوں کی

طرف سے اٹھایا ہوا سوال نہیں۔ یہ سوال رسل کا ہے! جس نے فلسفے کے ایک اسکول میں مرکزی حیثیت اختیار کی تھی۔ تاریخِ فلسفہ اس بات کی شاہد ہے کہ رسل ذہن کی ایک بہترین ورکنگ اور تصور سازی کی بہترین روایت کو سمجھتا ہے اور اس کی یہ سمجھ ناقدانہ ہے۔ رسل کا کہنا ہے جب میں کسی دین کو قبول کرتا ہوں تو اُس کو اپنے شعور اور زندگی کے ذرّے ذرّے کے لیے بائنڈنگ بناتا ہوں۔ یہاں رسل کی علمی حیثیت ہم نے بطور ایک ناقد اور ادیب اس لیے بیان کی کہ اُس کے سوال کی اہمیت اُجاگر ہو۔ کیونکہ اصل چیز یہ ہے کہ ایسی شخصیت کے سوالات آپ کی عمارتِ فکر کو ڈھانے والے حملوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمیں سوچنا یہ ہے کہ ان حملوں کی روک تھام کا کوئی نظام ہمارے پاس موجود ہے یا نہیں؟ جس علمی اعتبار سے یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے' عین اسی علمی تیقن کے ساتھ اس کا جواب فراہم کیا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ اگر ہم ایسے سوالات کے قابل تسلیم بلکہ واجب التسلیم جواب فراہم کرنے کے لائق نہیں ہیں' تو ہمیں بہت غور کرنا چاہیے کہ ہمارا ایمان بھی تو کہیں مصنوعی نہیں ہے؟ ہماری دینداری بھی تو کہیں ایک پردے کی حیثیت نہیں رکھتی؟ کیا ہمارا مسلمان رہنا محض ہماری ضد پر قائم ہے یا ہمارا مسلمان رہنا شعور کے ایک بہترین اور مستقل فیصلے کی حیثیت رکھتا ہے؟ یہ ہماری بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ جدید ذہن میں جگہ بنا لینے والے شبہات اور جدید دماغ میں جڑ پکڑ لینے والے الحاد کو ہم لوگ دور کر لینے کا قصد اور اہلیت رکھتے ہیں یا نہیں؟

۲) اَخلاقی چیلنجز

چیلنجز کی دوسری نوع اخلاقی ہے۔ اخلاق کہتے ہیں وجود کے مرکز کو۔ اسی طرح علم کہتے ہیں شعور کے مرکز کو۔ اسلام ہم سے شعور کے مرکز میں بٹھایا جانا طلب کرتا ہے اور وجود میں بھی مرکزی درجہ پر فعال حالت میں رہنا طلب کرتا ہے۔ اگر ان دو مطالبات کو پورا کرنے میں ہم سے کوئی بھی کوتاہی ہوئی تو گویا اسلام کو بے اثر اور بے کشش بنانے والی عالم گیر طاقتوں کا ساتھ دینے جیسا عمل ہوگا۔ اخلاقی چیلنجز وہ ہیں جو ہمارے وجود کی بناوٹ کو دینی نہیں رہنے دے رہے ہیں' وہ ہمارے وجود کو بندگی کے مادّے سے تعمیر ہونے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ علمی چیلنجز ایسے ہیں جو ہمارے شعور کو ایمانی بننے سے روک رہے ہیں۔

۳) انتظامی چیلنجز

تیسرا چیلنج ایک طرح سے انتظامی ہے' یعنی چیزوں پر ایسا خلاقی تصرف کہ چیزیں ہماری ضرورت کو پورا کرنے کے لائق ہو جائیں۔ چیزوں کی ایک ایسی عملی تنظیم کہ جسے ہم چیزوں پر وارد کر کے چیزوں کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کی لیاقت حاصل کریں۔ تو یہ وہ چیلنج ہے کہ جسے ہم انتظامی چیلنج کا نام دے سکتے ہیں۔ انسانی اجتماعیت آئیڈیا اور اخلاق کے ساتھ ساتھ ان آئیڈیاز کو عمل میں لانے کے لیے اور ان کو actualize کرنے کے لیے چیزوں پر ایک انتظامی گرفت کا تقاضا کرتی ہے۔ چیزوں کی درست مینجمنٹ کا تقاضا' تاکہ چیزیں اپنی اپنی طبعی حدود سے نکل کر انسان کی ضرورت کو مکمل کرنے کی قابلیت پیدا کر لیں۔ العرض یہ بھی ہمارا

مسئلہ ہے۔اس مسئلہ کے ضمن میں نظام سازی وغیرہ کے مباحث آجاتے ہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ تاریخ انسانی کے سب سے بڑے المیوں میں سے ایک المیہ یہ ہے کہ اخلاق کو مذہب سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ اخلاق آدمی کی فطری جبلت (natural instinct) ہے' جب اسے مذہب کے قبضے میں دے دیا گیا تو اُس کے نتیجے میں انسان بحیثیت مجموعی ایک المیے سے دوچار ہوگیا۔ ایسی بیسیوں لرزا دینے کی حد تک خطرناک باتیں بیان کی جاسکتی ہیں۔ ہمیں جو چیز فوری طور پر علمی چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے سیکھنی چاہیے وہ یہ اصول ہے کہ دین کا علم بھی اُسی ذہن سے بہتر طریقہ سے حاصل ہوسکتا ہے' اور اُسی ذہنی صلاحیت کا متقاضی ہے کہ جس ذہنی صلاحیت کو کام میں لا کر کانٹ اور آئن سٹائن جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ دین کو سمجھنے کے لیے کسی علیحدہ قوت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ شعور اپنی بہترین حالت اور استدلال کے ساتھ ایمان کو قبول کرلے' یہی وہ شرطِ علم ہے جس کو ہمارے دینی تعلیمی نظام میں نمو پانے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ ایک کام جسے بہت ٹھوس شکل میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں... یہ ایک آفاقی مسلّمہ ہے کہ علم کی تشکیل کا عمل کثرت میں وحدت کی آرزو سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی دنیا کا تجزیہ اور انسان کی تحلیل کرنے والے جملہ علوم کا مسلّمہ یہ ہے کہ ''علم'' کا مطلب ہے کہ میں جس چیز کو جانتا ہوں اس کی اصلِ وحدت اور غایتِ قصویٰ کو جان لوں۔ یعنی اُس کی اصل کو بھی اس کی وحدت کے ساتھ سمجھ لوں' اور اُس کی غایت (یعنی اس کے انجام) کو بھی اس کی وحدت کے ساتھ جان لوں۔ یہی بات شعور کی تمام فطری صلاحیتوں (faculties) کا مسلمہ بھی ہے۔ کیونکہ کثرت سے زمین پر کھڑی ہوئی چیزیں وحدت سے وجود میں آئیں۔ وحدت شجرِ وجود کا بیج بھی ہے اور شجرِ وجود کا پھل بھی ہے۔ تو یہ مسلّمہ ہے کہ چیزیں وحدت سے پیدا ہوتی ہیں اور وحدت میں مدغم ہو جاتی ہیں۔ یہ مسلمہ ہے تمام علوم کا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس مسلّمہ کو عمل میں لائے رکھنے کی اور اس مسلّمہ کی لامحدود طریقہ سے نظری تطبیق کرنے کی کیسی سہولت ہمیں اپنے ایمان اور دین کی صورت میں حاصل ہے۔ ہم اس چیز کو کتنی آسانی سے اس بات میں منتقل کر سکتے ہیں کہ چیزوں کی حقیقت بھی اللہ ہے اور کائنات کی منزل بھی اللہ ہے۔ توحید کا مطلب ہے کہ چیزیں اپنے وجود میں بھی وحدت سے منتزع (کسی چیز میں سے کھینچ کر نکالنے والا) ہیں اور اپنی انتہا پر بھی وحدت میں ڈھلنے کے لیے ہیں۔ عقیدۂ توحید ہمارے دماغ میں اگر کائنات کے بارے میں بائنڈنگ اور ڈیفائننگ علوم پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بن پا رہا ہے تو اُس میں ظاہر ہے کہ بہت کچھ نقص' بہت کچھ سبب ہماری غفلت' بے بسی اور بے پرواہی کا بھی ہے۔ ہم میں سے کتنے لوگ دین کی تعلیم حاصل کرتے وقت' یا دین کی تعلیم رسمی طور پر مکمل ہوجانے کے بعد' اس نکتہ پر اپنے جہانِ شعور کی تعمیر کرتے ہیں کہ ایمان بالغیب کا راست نتیجہ یہ ہے کہ ایمان بالغیب گویا مجھے اس قابل بناتا ہے کہ میں دنیائے حاضر اور کائناتِ شہود کی حقیقت تک رسائی حاصل کرلوں۔ تو اتنی بڑی سہولت موجود ہوتے ہوئے اور اتنے بڑے مسلمات کو گویا تصدیق فراہم کرنے والے عقیدۂ توحید کا حامل ہوتے ہوئے بھی اگر میرا ایمانی شعور چیزوں کو اُن کی حقیقت سے جڑا رکھنے میں ناکام چلا آرہا ہے تو اس کا مطلب ظاہر ہے' یہ ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں' ہماری دینی تعلیم کے نصاب میں' کسی ایسے عنصر کی کمی رہ گئی ہے جو دینی علم کو اُس کے اپنے بنائے ہوئے مزاج اور اَہداف سے منقطع کر کے حاصل کیے چلا جارہا ہے۔ مطلب یہ کہ

اگر توحید چیزوں کو دیکھنے کا واحد علمی روزن نہیں بن پائی' اگر میرا عقیدۂ توحید میرے اور دنیا' اور میرے اور میرے نفس کے درمیان' واحد پل بن کر کام نہیں کر رہا تو اس کا مطلب ہے کہ میرے لیے یہ عقیدہ محض حافظے کے سل پر لکھی ہوئی عبارت ہے' جسے میں ہٹ دھرمی اور بے دلی سے محفوظ رکھے ہوئے ہوں۔ اس کے علاہ اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر ہم اپنے نظامِ تعلیم کی بنیاد اس اصول پر اور اس ذمہ داری پر رکھ دیں کہ دین اپنے معلوم ہونے کے ہر ہر مرحلے پر بہترین شعور کی پرورش اور تکمیل کرتا ہے... اس شعور کی تکمیل جو دنیا کے علم کے لیے بھی درکار ہے... اگر ہم اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر' اس مقصد کو حاضر کر کے اور اسے حاصل کرنے کے لیے دینی تعلیمی کا کوئی میتھڈ' کوئی روش' کوئی روایت اپناتے ہیں تو وہ' ان شاء اللہ' ہمارے مزاجِ ایمانی سے مناسبت رکھنے والی ہوگی۔ ہمارے اندر اُس صلاحیت کو ترویج دینے کا واحد وسیلہ بنے گی جس صلاحیت کی موجودگی کے بغیر ہم اپنے دین پر اثر انداز ہونے والے' اپنے دین کو مجروح کر دینے والے علمی اختلافات کا سامنا نہ کر سکیں گے۔ اگر میرے بس میں ہو تو میں دینی تعلیم کا پورا نظام اور نصابِ تعلیم اس اسلوب' اصول اور اعظم المقاصد پر استوار کر کے دکھاؤں۔ پس سب سے پہلے اپنے شعور کو وسعت دو' اپنے شعور کو گہرائی دو' اپنے شعور کو خلاقی وجود کے ساتھ فعال بناؤ... ایمان کے جوہر پر۔ افسوس یہ کہ ہماری جو موجودہ صورت حال ہے اس میں ہمارا ایمان شعور کی اخلاقی بنیاد نہیں بن رہا ہے' ہمارا ایمان شعور میں عقیدے کی مدافعت کرنے والی بہترین صلاحیتوں کی پرورش نہیں کر رہا ہے۔ اس پر دھیان دینا چاہیے' اس کے بغیر ہم اپنی روایت' اپنے دین کو پیش آنے والے کسی بھی چیلنج کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اگلی مرتبہ اللہ نے چاہا تو داخلی اور خارجی چیلنجز پر گفتگو ہوگی' اور اس پر کہ ان سے نکلنے کا راستہ کیا ہے؟ ❁❁❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست